

فیصل

فقید الاسلام والمسلمین

خلیل حامدی صاحب

شاہ فیصل کی شہادت ملت اسلامی کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس سانحہ کی شدت و سنگینی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ حالات نہ سمجھ لیے جائیں جن میں شاہ فیصل نے مسلمانوں کے ایک رہنما کی حیثیت سے نام کار لائحہ میں لی اور پھر ان خدمات پر بھی نظر نہ ڈال لی جائے جو انہوں نے سعودی عرب کے اندر اور سعودی عرب کے باہر انجام دیں۔ ذیل کا مضمون انہی دونوں پہلوؤں کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

فیصل ایک ایسی سرزمین کا حکمران تھا جس کے ساتھ دنیا کے ۸۰ کروڑ مسلمانوں کی عقیدت و محبت کے گہرے رشتے استوار ہیں۔ اور جہاں کی ہر بات دنیا بھر کے مسلمانوں پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے فیصل کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ ایک عام مسلمان حکمران کی شخصیت اور خدمات کے جائزے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ فیصل فرمانروائی کی مسند پر متمکن ہونے سے پہلے جو کچھ بھی تھے اُس سے ہم تعریف کرنے کے بجائے اُن کے اُس دور پر گفتگو محدود رکھیں گے جب وہ مکمل اختیارات کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن کی شخصیت کو مسلمانوں کے لیے وجہ کشش بنانے کا وہی دور ہے جب وہ ولی عہد کی بجائے بادشاہ تھے۔

موجودہ تہذیبی نظریات انسان کی شخصی زندگی اور اجتماعی زندگی میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ تفریق اس لحاظ سے غیر فطری اور غیر معقول ہے کہ ایک انسان جس سیرت و کردار اور فکر و نگاہ کا مالک ہو گا وہ اس کی زندگی کے دونوں حصوں پر پھیل لگائے گی۔ لہذا اگر ہم فیصل کی اجتماعی زندگی سے پیشتر ان کی انفرادی زندگی کا بھی مطالعہ کر لیں تو اُن کی تصویر مکمل سامنے آ جائے گی۔

ذاتی حالات | مرحوم کی ذاتی تربیت و تعلیم میں ان کے والد سلطان عبدالعزیز کا بڑا اثر ہے۔ فکر و عقیدے کے

لحاظ سے وہ اسلام کو اسی طرح ایک مکمل اور ہمہ گیر دین سمجھتے تھے جس طرح ان کے بزرگ رہنماؤں نے جزیرۃ العرب میں اسلام کو زندہ اور برپا کیا تھا۔ اپنے خاندان کی عظمت و شوکت کا راز بھی اسلام ہی کو قرار دیتے تھے۔ ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کا ایک منتخب وفد جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، الحاج محمد امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین مرحوم اور شیخ عبداللہ قلیلی مرحوم مفتی اردن پر مشتمل تھا شاہ نے ملاقات کے لیے طلب کیا۔ اس ملاقات میں انہوں نے بار بار اس امر کا اعادہ کیا کہ آل سعود کو آج جو کچھ حیثیت حاصل ہے وہ ان خدمات کی بنا پر ہے جو اس خاندان نے اسلام کی سر بلندی کی خاطر انجام دی ہیں۔ اگر یہ خاندان اسلام سے اپنا رشتہ کمزور کر لے گا تو اس کا تمام وقار خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات وہ اپنی نجی محفلوں اور خاندانی اجتماعات میں بکثرت کہتے رہتے تھے۔ چند ماہ پیشتر جب ان پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے تمام ذمہ دار شہزادوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ ہمارے اقتدار کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک اسلام اور دوسرے باہمی اتحاد۔ ان دونوں کو نظر انداز کرنے کے بعد سعودی خاندان زوال سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔

پچھلے سال سے یورپ کے قانون دانوں اور سعودی علماء اور قاضیوں کے درمیان اسلام کے مختلف موضوعات پر مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اب تک پانچ ایسی محفلیں ریاض اور یورپ کے مختلف شہروں میں منعقد ہو چکی ہیں۔ سعودی وفد کے سربراہ وٹن کے وزیر عدل ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شاہ نے تاکید کر رکھی ہے کہ ہم حکمت اور موعظت حسنہ کے اصول کے تحت یورپ پر اسلامی شریعت کی برتری ثابت کریں اور بتائیں کہ اسلامی قانون کی حقیقت اور برتری کی دلیل یہ ہے کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ اسلام سے یہ گہری محبت موصوف کی زندگی میں صاف مچھکتی نظر آتی تھی۔ شب تیزی، تہجد گزاری اور مسجدوں کے اندر طویل لمحات تک بدیدہ اشکبار خدا کے حضور گرہ لگانا ان کا معمول تھا۔ راقم نے انہیں ایک مرتبہ بڑا طویل سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے ایک ہر وقت رقیق کے سامنے اس بات کی تحسین کی۔ وہ کہنے لگا سلطان عبدالعزیز مرحوم نے دعاؤں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا فیصل یہ تمام دعائیں ایک لمبے سجدے میں روزانہ دہراتے ہیں۔ "ان شاء اللہ" ان کا تکیہ کلام تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ان کی ایک مطبوعہ تقریر میں ایک سطر کے اندر گن کر دیکھا تو پانچ مرتبہ یہ کلمہ دہرایا ہوا پایا۔ خوشامد سے وہ بہت ناخوش ہوتے تھے۔ بادشاہی نظام ہو یا جمہوری نظام خوشامد اور نفاق کے جال سے اہل اقتدار کا بچ نکلنا قریب قریب محال سمجھا ہے۔ ۱۹۶۷ء کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کے موقع پر شاہ فیصل کی بھری مجلس میں ایک صاحب نے باواز بلند کہا کہ "اے اللہ! اسلام کو فیصل کے ذریعے عزت بخش" مرحوم اس فقرے پر بہت چسپیں سجییں ہوئے اور فوراً ٹوکتے ہوئے کہا "فیصل اسلام کا

محتاج ہے۔ اسلام فیصل کا محتاج نہیں ہے۔ وہ صاحب بہت کھسیانے ہوئے۔ سعودی عرب کے اندر مختلف تعمیراتی منصوبے پائیہ تکمیل کو پہنچتے رہتے تھے۔ اہل خوشامد کو شش کرتے رہتے تھے کہ ان منصوبوں کو شاہ فیصل کے نام سے موسوم کریں۔ مگر شاہ ہمیشہ طرح دے جاتے اور ایسے لوگوں کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ جدہ کی بحری بندرگاہ مکمل ہوئی۔ تو اس کا افتتاح شاہ مرحوم سے کروایا گیا۔ اس تقریب میں راقم اور چوہدری رحمت الہی صاحب بھی موجود تھے۔ سپاس نامہ پیش کرنے والے نے تجویز کیا کہ اس بندرگاہ کا نام مینار الملک فیصل (بندرگاہ شاہ فیصل) ہوگا۔ شاہ نے جب سپاس نامے کا جواب دیا تو کہا: اگر بندرگاہ کسی شخص کے نام سے منسوب ہونا ضروری ہے تو وہ شخص فیصل کے بجائے سلطان عبدالعزیز مرحوم ہونے چاہئیں۔ لیکن مجھے شخصیت پرستی پسند نہیں ہے۔ یہ بندرگاہ حاجیوں کے لیے بنائی گئی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں آکر اترتے ہیں۔ لہذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کا نام "اسلامی بندرگاہ" ہو۔ چنانچہ اس کے بعد بندرگاہ جدہ کا سرکاری نام اسلامی بندرگاہ رکھا گیا۔

شاہ مرحوم کی زندگی منکرات سے پاک تھی۔ غرور و تکبر سے محفوظ تھے۔ خاندانی روایات اور اسلامی آداب کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمن ہمارے دیرینہ دوست ہیں اور مولانا مودودی مدظلہ العالی کے بڑے مداح ہیں۔ فیصل ایک مرتبہ راقم کی موجودگی میں دہلی آئے۔ اور آتے ہی اپنے چچا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پھر اس قدر تواضع، انکساری، احترام و تکریم کے ساتھ ان کے پاس بیٹھ گئے گویا استاد شاگرد کے سامنے دوزانو بیٹھا ہے۔ بلکہ صحیح الفاظ میں لائق بیٹا اپنے محترم باپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اپنی معتر بھیجی کے ہاں وہ ہمیشہ عیدین کے موقع پر مبارکبادی کے لیے جاتے اور احتراماً پیدل جاتے۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں مجھے اور محترم میاں طفیل محمود صاحب کو ان کے ساتھ مل کر کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ راقم نے ان کے کھانے کا جو انداز دیکھا ہے وہ ایسا اثر انگیز تھا کہ جب بھی راقم کھانا کھاتا ہے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے نہایت وقار اور متانت سے کھانا کھایا۔ ان کا چہرہ اور ہاتھوں کی حرکت بتا رہی تھی کہ وہ کھانے کو فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر بڑے شکر و امتنان کی کیفیت کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کھانے کے ایک ایک ذرے کا انہوں نے احترام کیا۔ رکابی کو اس طرح صاف کیا کہ ایک ذرہ بھی اُس میں باقی نہ رہنے دیا۔ سبب کھانے کے لیے اُسے خود ہی چھری سے چھیلنے لگے۔ اور اُس کا اس قدر باریک چھلکا اتارا کہ گودے کا ایک معمولی جڑ بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ کاٹتے وقت ایک قاش نیچے گر گئی۔ اُسے جھک کر اٹھانے لگے تو خادم نے فوراً لپک کر انہیں تھما دی۔ اور اسے لبم اللہ کر کے

کھالیا۔ کھانے کے برتن، فرنیچر اور کمرے کی سادگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جس کمرے میں وہ مجلس لگاتے ہیں وہاں ان کی نشست کی سامنے والی دیوار پر یہ عبارت تحریر ہے کہ "لودامت لخيرك لما اتصلت اليك" اگر حکومت تیرے پیشرو کے پاس ہمیشہ رہتی تو تجھ تک نہ پہنچتی (دوسرے لفظوں میں یہ حکومت تیرے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ شاہ کے چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمان جو ایک معزز بزرگ ہیں وہ ہمیشہ فیصل کو "الملك المؤمن" دعو من بادشاہ کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بتاتے کہ شاہ ان دنوں مولانا مودودی کا ذکر اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں موجودہ مسلمان نسل کے لیے بڑا مفید سمجھتے ہیں۔ شاہ شہید کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ نصیحت کو سنتے تھے اور مخلص نا صحبین کی قدر کرتے تھے۔ تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ مولانا مودودی مدظلہ العالی کو معلوم ہوا کہ تبت کے مسلم مہاجرین کے دس خاندان عرب ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور انہیں کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے، مولانا محترم نے فوراً شاہ فیصل کو ایک خط لکھا جس میں شاہ کو قدرے سخت لہجے میں متنبہ کیا اور کہا کہ حجاز دنیا بھر کے مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے۔ اس لیے تبت کے مسلمانوں کو بھی حجاز میں ان شرائط کے تحت آباد کیا جائے جن کے تحت بخارا اور سمرقند کے مہاجرین دہاں رہ رہے ہیں۔ چنانچہ شاہ نے اس خط پر فوراً عمل درآمد کیا اور تبتی خاندانوں کو جو اس وقت اردن میں لاوارث پڑے تھے سعودی عرب بلوایا اور طائف میں آباد کیا۔ اور مولانا محترم کا شکر یہ ادا کیا کہ انہوں نے ایک فرم کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہ ایک مثال میں نے بطور نمونہ درج کر دی ہے۔ ورنہ ایسی بہت سی مثالیں راقم کے ذاتی علم میں ہیں۔

خدمتِ ملک و قوم | شاہ فیصل کی حکمرانی کا پہلو دنیا کے مدبرین سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اپنے ملک کے اندر انہوں نے بڑے بڑے عظیم کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ دولت کی فراوانی ان کے لیے ایک مسئلہ تھی۔ مگر انہوں نے اپنے ملک اور عوام کی بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت کو صرف کیا۔ تعلیم، علاج اور مواصلات ان کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے۔ سعودی عرب کی آبادی ۱۰ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر سعودی عرب کے اندر اس وقت پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، دوسری امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض، تیسری گنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، چوتھی ریاض یونیورسٹی اور پانچویں پٹرولیم یونیورسٹی (پٹرولیم کالج) کوئٹہ میں یونیورسٹی کی حیثیت دے دی گئی ہے اور اب ایک چھٹی یونیورسٹی کے قیام کی تیاریاں ہو رہی ہیں یعنی خواتین کی یونیورسٹی۔ سڑکوں کا جو حال انہوں نے سچا دیا ہے وہ نہایت حیرت انگیز چیز ہے۔ طویل و عریض صحراؤں کو سیر کر مشرق کو مغرب سے اور شمال کو جنوب سے ملا دیا ہے۔ اسپتالوں کی تعداد بھی بہت زیادہ

ہے۔ کوئی ایسا قریب نہ ہوگا جسے طبی امداد فراہم نہ کی جاتی ہو۔ یہی حال اسکولوں کے قیام کا ہے۔ اب وہ زراعت پر بھی خصوصی توجہ دے رہے تھے اور کاشتکاروں کی ہرگز نہ حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

اسلامی میدان میں شاہ فیصل کے والد عبدالعزیز ابن سعود کی جالفشانیوں سے دنیا واقف ہے۔ شاہ فیصل نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے کی غیر معمولی کوشش کی ہے۔ شاہ فیصل کے سامنے مشکلات بے حد تھیں۔

پٹرول کے بعد دولت و ثروت کی بارش ہونے لگی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی عروج پر پہنچ گئی اور دولت مند ملک اُس سے زیادہ متاثر ہونے لگے۔ مواصلات کی سہولتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ دنیا کے کسی حصہ سے رابطہ رکھنا دشوار نہ رہا۔ بلکہ مواصلات نے دنیا کو ایک ایسا مربوط سمندر بنا کر رکھ دیا کہ ایک طرف اگر کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے تو فوراً دوسری طرف اُس کی لہریں پہنچ جاتی ہیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے سعودی عرب اپنی مالی خوشحالی کی بدولت جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اختراعات سے مستفید ہو رہا تھا وہاں موجودہ تہذیبی و تمدنی مفاسد اور تخریبی نظریات کی بیخاریاں بھی وہ نشا نہ بن چکا تھا۔ ایسے زبردست چیلنج کے سامنے سعودی عرب کے اندر اسلامی طرز

حیات کو باقی رکھنا آسان نہیں تھا۔ فیصل کا پورا دور بادشاہت (نومبر ۱۹۶۴ء تا مارچ ۱۹۷۵ء) اسی کشمکش اور مجاہدے میں گزرا ہے۔ ایک طرف بگاڑ کی قوتیں ملک و معاشرے کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتی تھیں اور دوسری طرف فیصل اپنے عقیدہ و ضمیر اور آبائی مسلک کی رو سے ان قوتوں کے سامنے ایک چٹان بنا ہوا تھا۔ اور افسوس یہ ہے کہ اس چٹان کو اب پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ فیصل نے سعودی معاشرے کی اسلامی حیثیت کی بقا کی جدوجہد کی۔ امن و امان کی سابقہ روایات جو مرحوم ابن سعود کے عہد سے چلی آرہی تھیں برقرار رکھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اچھے سے اچھا انتظام کیا۔ عربی اور بے پردگی کو روکا۔ اسلامی قوانین کے اجرا میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور

اب فیصل نے ریاض میں اسلامی قانون کی اعلیٰ تعلیم کا ادارہ بھی قائم کر دیا تھا۔ جس کا نام ہے (معهد القضاء العالی) اس کا سربراہ ایک ایسے شخص کو بنایا جو نہ صرف قانون و فضا کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ وہ اسلام کا وہ انقلابی تصور رکھتا ہے جو عہد حاضر کی اسلامی تحریک کا پیش کردہ ہے۔ ان کا نام شیخ مناع القطان ہے جو مصر میں حسن البنا کے سکرٹری تھے۔ شیخ مناع نے راقم کو بتایا کہ مخالف عناصر نے فیصل کے پاس جا کر میرے بارے میں طرح طرح کی شکایات کیں۔ اور یہ کوشش کی کہ اس ادارے سے مجھے نکلوا دیا جائے۔ مگر فیصل سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے اُن کے علم و اخلاص اور فہم و بصیرت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ نظام قضا میں بھی تبدیلی کی جائے۔ جو میں شریفین کی توسیع و تعمیر کے

بارے میں سعودی حکومت نے جس فراخ دلی اور اسلام سے محبت و وابستگی کا جو ثبوت دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں نہیں ہے۔

شاہ فیصل آج سے ۱۱ سال پیشتر جب برسرِ اقتدار آئے تھے تو حجاج کی تعداد ۸ لاکھ کے لگ بھگ تھی اور اب یہ تعداد ۱۵ اور ۱۶ لاکھ تک تجاوز کر چکی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حرمین کی توسیع و تعمیر کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اور اربوں ریال صرف کیے جا رہے ہیں۔ شاہ فیصل نے شہادت سے صرف دو روز قبل حج کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے پچاس کروڑ ریال کی منظوری دی تھی۔

تحریک اتحاد اسلامی امت اسلامی کے حق میں فیصل کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ملی اتحاد مسلمانوں کا پُرانا خواب ہے۔ عثمانیوں کے زوال کے بعد امت اسلامی یک بیک تتر بتر ہو گئی۔ جمال الدین افغانی مرحوم اتحادِ ملت کی دعوت لے کر اٹھے۔ لیکن تھک ہار کر رہ گئے۔ علامہ اقبال مرحوم بھی اس آرزو کو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر قومیتوں نے سر اٹھایا۔ اور ایک عرصہ دراز تک عرب اور غیر عرب قومیں استعماری سازش کے تحت قوم پرستی کی راہ پر گامزن رہیں۔ اور آخر کا فیصل ۱۹۶۴ء میں بادشاہت کی مسند پر متمکن ہوئے اور چند ماہ بعد ۱۹۶۵ء میں مکہ معظمہ میں ایک کانفرنس رابطہ عالم اسلامی کی وساطت سے بلائی اور اس میں فیصل نے پہلی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ وہ دنیائے اسلام کو متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد انہوں نے سرکاری سطح پر بھی اور عوامی پیمانے پر بھی "تضامن اسلامی" کے عنوان سے اتحاد اسلامی کی تحریک کو نہایت ہمت و عزم اور حکمت و تدبیر کے ساتھ چلایا۔ یہ وہ دور تھا جب ایک طرح جمال عبدالناصر نے عرب قومیت اور اشتراکیت دونوں کا علم بلند کر رکھا تھا اور پروپیگنڈے کی مشینری کے ذریعہ ان دونوں امور پر عرب ممالک میں طوفان رستاخیز برپا کر رکھا تھا۔ اور دوسری جانب شام کی بعث پارٹی نے اسی سے ملتی جلتی ایک تحریک بعث ازم کے نام سے شام اور عراق میں چلا رکھی تھی مصر کی محبوب و پابند صحافت اور سردت کی تابرانہ صحافت اور عرب ممالک کے اشتراکی اور ملحد اخبارات و رسائل اور پیشہ ور اہل قلم دونوں محاذوں کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق ملک بہم پہنچا رہے تھے۔ یہ تاریک و حوصلہ شکن حالات اسلام کے نام پر کسی تحریک کا کیسے خیر مقدم کر سکتے تھے۔ مگر یہ فیصل کی جرات رندانہ تھی کہ اُس نے مخالف تحریکوں کے مقابلے میں اتحاد اسلامی کی تحریک برپا کر دی۔ راقم کو یاد ہے کہ اُس زمانے میں عرب پریس اور بالخصوص اشتراکی پریس نے فیصل پر بڑی بھشتیاں کیں۔ اور سب و شتم سے بھرپور لٹریچر ان کے خلاف تیار کر ڈالا گیا۔ اور اتحاد اسلامی کی تحریک کو کبھی "یہودیوں کی تحریک" اور "سامراجی سازش" اور کبھی "باسی گڑھی کا اُبال" کی

۱۱ b احوں سے یاد کیا گیا۔ اور فیصل کے اعصاب کو ضمنی کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر فیصل لوہے کا چننا ثابت ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں حج کے موقع پر شاہ نے ممتاز حجاج اور حج کے سرکاری وفود کے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے ان مخالفانہ کوششوں کی طرف اشارہ کیا اور پھر علم و سنجیدگی سے بھرے ہوئے لہجہ میں تمام مخالفین کو واشگاف الفاظ میں کہا: "ان نتخاذل عن مسیبتنا دونہ خراط القتاد" (ہم اپنی تحریک سے باز آجائیں۔ اس خیال است و محال است وجنوں)۔ شاہ کے یہ الفاظ ایمان و عزم کا ایک نعرہ مستانہ تھے۔ ادبی لحاظ سے بھی ان الفاظ کی رفعت و ساخت شاہ کے ذوق بلند کی غمازی کر رہی تھی۔ مخالفین کو اندازہ ہو گیا کہ ان کا پالاکسی روایاتی بادشاہ سے نہیں بلکہ مرد آہن سے ہے۔ الغرض شاہ فیصل شدید کشاکش اور تند و تیز موجوں کے اندر اتحاد اسلامی کی کشتی کھیلتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں رباط میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں لاہور میں دومی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ایک اسلامی سکرٹریٹ جہ میں قائم کر دیا گیا اور اقتصادی، ثقافتی اور نشریاتی شعبوں کے اندر عالم اسلام کو متحد کرنے کا آغاز کر دیا۔

ہمہ گیر اتحاد | فیصل شہید نے حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی کوششوں کے دوش بدوش ملی اور عوامی سطح پر بھی ایسے منصوبے شروع کر دیے جن کے ذریعے ملت اسلامی کے مختلف طبقات کے اندر ہم آہنگی پیدا کی۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق شاہ فیصل حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی تحریک کے دوران اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کی حکومتیں اس وقت تک تعاون و یک رنگی قبول نہیں کریں گی جب تک مسلمان قوموں کے ذریعے ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے آخری ایام میں وہ بار بار تصانف حکومت (حکومتوں کے اتحاد) کے ساتھ ساتھ تصانف طبقات مختلف گروہوں کے اتحاد کا چہرہ دکھاتے رہے۔ اور لاہور کی سربراہی کانفرنس کے بعد انہوں نے اپنی سرگرمیوں میں ایک نئی اور اثر انگیز تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ لاہور کی سربراہی کانفرنس سے جب وہ واپس گئے تھے تو بڑے دل برداشتہ تھے۔ اگر کوئی جذباتی انسان ہوتا تو وہ اپنے سن پر فاختہ پڑھ کر بیٹھ جاتا مگر فیصل اعصاب کے مضبوط عزم کے دھنی اور ایمان کے کوہ گراں تھے انہوں نے فوراً اپنے کام کا ایک نیا انداز، کامیاب و عمیق اثر انداز اختیار کر لیا جو ان کے تدبیر و بصیرت اور ایمان و اخلاص اور نئی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اسلامی دعوت کی تنظیم | لاہور کی سربراہی کانفرنس سے واپس لوٹتے ہی انہوں نے رابطہ عالم اسلامی مکر کے زیر انتظام ۶-۱۰-۱۹۷۳ء کو دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں اور مذہبی رہنماؤں کی کانفرنس طلب کر لی۔ مجدد حاضر کی اسلامی تاریخ میں یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی منفرد تھی۔ اس میں عالم اسلام اور افریقہ اور یورپ اور امریکہ کے

دہر جہاں کہیں اسلامی تحریکیں پائی جاتی ہیں ان کے نمائندوں کو جمع کر دیا گیا۔ اور ان کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا کہ وہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ، غیر اسلامی نظریات و تحریکات کے مقابلہ اور مسلمانوں کے سیاسی اور قومی مسائل کے حل کے لیے کس قدر متحدہ طور پر کوششیں سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہی وہ کانفرنس ہے جس نے پہلی مرتبہ عالمی پیمانہ پر فتنہ قادیانیت کا جائزہ لیا اور وہ تاریخی فیصلہ صادر کیا جس کی رو سے قادیانیوں کو ملت اسلامیہ سے خارج اور مرتد گردہ قرار دے دیا گیا۔ راقم کا احساس یہ ہے کہ شاہ فیصل کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بھارتی جارحیت کو کامیاب بنانے میں قادیانیوں کو گہرا دخل ہے۔ وہ ۵-۶ سال سے قادیانیت کے خلاف آواز بلند کیے ہوئے تھے۔ سعودی مملکت میں ان کا داخلہ بند کر چکے تھے۔ مگر مشرقی پاکستان کے حادثہ کے بعد انہوں نے اسی قوت و اہمیت کے ساتھ اس مسئلہ کو لیا جس قوت و اہمیت کے ساتھ وہ صہیونیت کے خلاف صف آرا تھے۔ مذکورہ کانفرنس کے بعد سرکاری سطح پر انہوں نے ان تمام ممالک کو فتنہ قادیانیت سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جہاں قادیانیوں کے مراکز تھے۔ مثلاً نائیجیریا، گھانا، جنوبی افریقہ، ماریشس اور یوگنڈا وغیرہ۔ راقم جنوری ۱۹۷۵ء کو ریاض میں تھا۔ وہاں وزیر عدلیہ سے معلوم ہوا کہ شاہ فیصل کے خصوصی احکام کے تحت قادیانیت کو بے نقاب کرنے والا لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی بارہ مشہور زبانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس لٹریچر میں مولانا موردی مدظلہ العالی کا ایک مپفلٹ قادیانی مسئلہ بھی ہے۔ شاہ شہید کا اس سلسلے میں تازہ پروگرام یہ تھا کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں کے اندر مسلمان اہل علم کے ایسے وفد بھیجنا چاہتے تھے جو قادیانی مبلغین کے ساتھ علمی انداز میں گفتگو کریں اور ان کو باطل اور بے بنیاد ثابت کریں۔ تاکہ جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے قادیانیت کے فریب کا شکار ہیں ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اور بھی اس طرح کے انہوں نے متعدد منصوبے تیار کر رکھے تھے۔

مذکورہ اسلامی کانفرنس کے ذریعہ شاہ فیصل نے نہ صرف اسلامی دعوت کے کام میں عالمی پیمانے پر ہم آہنگی پیدا کرنا شروع کر دی تھی بلکہ داعیان اسلام کو بھی باہم متعارف اور مربوط کیا جا رہا تھا۔ اور آئندہ وہ افریقہ اور یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر تبلیغی اداروں کو زیادہ سے زیادہ متحد و منظم کرنا چاہتے تھے۔

نوجوانوں کی عالمی سطح پر تنظیم | یہ مثنیٰ دعوت و تبلیغ کی سطح پر ملی اتحاد کی کوشش۔ اب ایک اور ایسی کوشش دیکھیے۔ دنیا کے اندر اسلام کا غلغلہ ہر گوشے میں بپا ہو چکا ہے۔ اور اس کا سب سے خوش کن پہلو یہ ہے کہ عہد حاضر کی نئی نسل، اسلام کی علمبردار بنتی جا رہی ہے۔ ترکی کے اندر نوجوان تاریخ کا دھارا بدل رہے ہیں۔ سوڈان کی فرطوم یونیورسٹی اور ارم درمان یونیورسٹی میں اسلام پسند نوجوانوں کی انتخابات میں کامیابی نئی نسل کے جدید رجحان کا پتہ

دے رہی ہے۔ مصر کے اندر ہزاروں نوجوان سنیماؤں اور تھیٹروں کا رخ کرنے کے بجائے مسجدوں کا رخ کر رہے ہیں۔ اور نئی مصری نسل کے اندر "العودۃ الی اللہ" (خدا کی طرف رجوع) کے نام سے ایک نئی لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ جن ملکوں کے اندر آمرانہ نظام قائم ہے وہاں بھی اندر ہی اندر نوجوان نسل اسلام کی خاطر بیچ و تاب کھا رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں کے حلقے دیار کفر میں اذانِ حق بلند کر رہے ہیں۔ خود پاکستان کی جامعات اور تعلیمی ادارے بھی "اسلامی انقلاب" کے نعروں سے لرز رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ ہوگا جہاں کے طلبہ اور نوجوانوں نے اسلام کا علم نہ اٹھا رکھا ہو۔ بحالات بتا رہے ہیں کہ یہ نئی نسل دنیا کے اندر بحالات پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ اب ضرورت یہ تھی کہ نوجوانوں کی اس نسل سے بے اعتنائی نہ برتی جائے۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور نوجوان جہاں کہیں بھی دعوتِ اسلامی کا کام کر رہے ہیں ان کو ایک مرکز سے وابستہ کر دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ بھی کریں اور باہم متعارف ہو کر ایک دوسرے کی کمی کو پورا بھی کریں۔ اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لیے سعودی حکومت کی طرف سے یوتھ کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک ریاض میں دو ایسی کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور تیسری کی تیاری ہو رہی تھی جو غالباً اسی سال کے آخر میں منعقد ہونے والی تھی۔ سعودی عرب کی وزارتِ تعلیم میں باقاعدہ یوتھ کانفرنس کا ایک دائمی سکرٹریٹ قائم کیا جا چکا ہے۔ جس کا سالانہ روائے کا بجٹ دس لاکھ ریال (تقریباً ۲۸ لاکھ روپے) ہے۔ اسلام پسند نوجوانوں اور اسلام پسند دانشوروں کو وقتاً فوقتاً جمع کرنا اس دور میں اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔ خود سعودی عرب کا نوجوان بھی جب باہر سے آنے والے نوجوانوں سے ملتا ہے اور ان کو اسلام کا شیدائی پاتا ہے تو اس کے ذہن و فکر پر بھی اچھے نقش ثبت ہوتے ہیں۔ غالباً شاہ فیصل مرحوم یوتھ کانفرنسوں کے ذریعہ ان سعودی نوجوانوں کی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے جو سردائے کے بل پر بگاڑ کا نیزی سے شکار ہوتے جا رہے تھے۔

علم و فن کے میدان میں دعوتِ اتحاد | اگر اسلام کو دورِ حاضر میں اہم کرنا اور ادا کرنا ہے اور تہذیبِ مغرب کے زوال کے بعد امامتِ عالم کا فرض انجام دینا ہے تو اسلامی تحریکوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان سے الگ نہیں رہنا چاہیے اور اس سلسلے میں دو باتوں پر فوری توجہ دینی چاہیے۔ ایک سائنس کے جملہ شعبوں اور ٹیکنالوجی میں اپنے افراد تیار کرنے چاہئیں۔ اور دوسرے دشمن کے پروپگنڈے کا قلع قمع کرنا چاہیے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تضاد ہے۔ اسلام قانونِ شریعت ہے جو انسان کی اختیاری زندگی میں نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور سائنس قانونِ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کو بالفعل قائم کر رکھا ہے۔ دونوں قوانین کا ماخذ ایک ہی ہستی ہے۔ اس تصور کے تحت اگر انسانی زندگی کی تعمیر کی جائے گی تو وہ فساد و ہلاکت سے محفوظ رہ سکے گی۔ اسلامی تحریک کے سامنے یہ موضوع وقت کی نہایت

اہم ضرورت بن کر سامنے آ رہا ہے۔ شاہ فیصل نے اپنے انداز میں اس موضوع پر جو توجہ دی تھی وہ بے شک حدود درجہ تحسین و ستائش کی مستحق تھی۔ سعودی حکومت نے مارچ کے آخر میں (۲۹ مارچ تا ۲ اپریل ۱۹۶۵ء) ریاض یونیورسٹی کی طرف سے ایک کانفرنس طلب کر رکھی تھی جس کا عنوان تھا "سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اسلامی تعاون کی کانفرنس" اس کانفرنس میں مسلم سائنس دان اور مسلم ماہرین فن مدعو کر رکھے تھے اور اس میں یہ جائزہ لینا پیش نظر تھا کہ مسلمان ملکوں کے انڈر ٹیکنالوجی کی تعلیم، سائنس کی تعلیم، اسلامی تاریخ میں سائنس کی تعلیم و ترقی، صنعت کے میدان میں مسلمان ممالک کی موجودہ حالت (بھاری صنعتیں اور ہلکی صنعتیں)، جنگی صنعت۔ امریکہ، مغربی یورپ اور مشرقی یورپ اور روس کے صنعتی تحقیقاتی ادارے اور عالم اسلام میں تحقیقات کے مراکز (یعنی مخصوص مصر، پاکستان، ایران، ترکی، انڈونیشیا اور الجزائر میں) کس حال میں ہیں۔ اور انجینئرنگ کے میدان میں تحقیق و تطبیق کی موجودہ کیفیت کیا ہے۔ الغرض کانفرنس نہ صرف مسلمان سائنسدانوں اور ماہرین فن کو ایک جگہ جمع کر دینے کا ایک اچھا ذریعہ بن سکتی تھی بلکہ عالم اسلام کے علمی و صنعتی حالات کا جامع جائزہ لینے کا بھی ایک موقع فراہم کر سکتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسلام اور سائنس کا رشتہ بھی مضبوط ہوتا۔ کانفرنس کا افتتاح ۲۹ مارچ کی صبح کو شاہ فیصل مرحوم نے کرنا تھا۔ تیاریاں سر پر تھیں کہ مرحوم کو پیغام اجل آپہنچا۔ یہ کانفرنس اب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی ہے۔ خدا کرے یہ کانفرنس شاہ کے موجودہ جانشینوں کے دور میں منعقد ہو جائے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں اور اسلامی تحریکوں کے لیے نہایت مفید خدمت ہوگی۔ معاشیات کے میدان میں مساعی اتحاد [مذکورہ بالا کانفرنس کے پائے کی ایک اور کانفرنس سعودی حکومت نے جبہ یونیورسٹی

کے زیر اہتمام مکہ معظمہ میں طلب کر رکھی تھی۔ یہ اسلامی اقتصادیات کی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ اس کے موضوعات بھی بڑے دلکش اور جامع ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ اقتصادی حالت، آمدنی کے وسائل و ذرائع، بین الاقوامی اقتصادیات کے ساتھ ان کے رشتے کی نوعیت، اسلام کا اقتصادی نظام، مسلمانوں کے اقتصادی نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے طریقے اور وسائل۔ اسی طرح بہت سی باتیں مسلمان ماہرین معاشیات اس کانفرنس میں پیش کرنے والے تھے۔ اس کانفرنس کی بدولت مسلمان ماہرین معاشیات باہم ملنے، سر جوڑ کر بیٹھتے اور یہ سوچتے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کیسے بہتر ہو۔ دولت مند مسلمان ممالک اپنے سرمائے کا صحیح استعمال کیسے کریں۔ مسلمانوں کو یہودیوں کے اقتصادی چنگل سے کیسے نجات دلائی جائے۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس (جو اب ملتوی کر دی گئی ہے) غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی اور مسلمان ماہرین معاشیات کو پہلی مرتبہ اونچی سطح سے اپنے اظہار خیال کا موقع مل رہا تھا۔ دونوں کانفرنسوں کے منتظمین اور شرکاء کے ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت الحمد للہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کو

کامل نظام زندگی سمجھتے ہیں۔ مغربی تہذیب سے مرعوب تہیں ہیں۔ اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کو بھی اقتصادی کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے موصول ہوتے رہے ہیں۔

شاہ فیصل معاشی نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہے۔ سعودی عرب کی کرنسی یجنی کے گورنر مرحوم انور علی بتایا کرتے تھے کہ شاہ نئی باران سے اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسا شروع ہے کہ اگر ماہرین معاشیات صحیح مشورہ نہ دیں تو بڑے سے بڑا دیدہ و رائسان بھی اُن کے آگے بے بس نظر آئے گا۔ طبقات، دو سائل کے اتحاد کی اسکیم برابر جاری تھی۔ ڈاکٹروں اور انسانی امراض کے ماہرین پر مشتمل یجنی ایک کانفرنس کی اکبم شاہ مرحوم کے پیش نظر تھی۔ تاکہ صحت عامہ کے میدان میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس میدان کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ بنایا جائے۔ اور مغرب پر دار و مدار کے بجائے مسلمان اطباء اور دواسازوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ شاہ کے مقربین سے ہم سنتے رہتے تھے کہ شاہ پاکستانی ڈاکٹروں پر بڑا اعتماد رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خصوصی مجال بھی پاکستانی رکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹروں کی تعلیم کے لیے شاہ فیصل سعودی نوجوانوں کو پاکستان بھیجتے تھے۔ یورپ اور امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم کا ہر شخص خواہشمند ہوتا ہے۔ مگر شاہ فیصل اس خیال سے کہ پاکستان کے اساتذہ ڈاکٹر بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اور خود پاکستان کا ماحولی بھی سعودیوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے میں مدد دے گا سعودی نوجوانوں کو پاکستان ہی تعلیم کے لیے بھیجتے تھے۔

نشریات کے میدان میں | شاہ کی شہادت سے ایک روز پیشتر (۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء) ریاض میں عالم اسلام کے نشریاتی اداروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اس میں، ہم مسلمان ملکوں کے نمائندے شریک تھے۔ نشریاتی میدان میں مسلمان ممالک دو حیثیتوں سے مار کھا رہے ہیں۔ ایک دنیا کی بین الاقوامی نیوز ایجنسیوں اور نشریاتی اداروں نے ان پر اپنا سحر طاری کر رکھا ہے اور وہ اپنی تصویر بھی دیکھنے کے لیے ان اداروں کے فراہم کردہ آئینہ کے محتاج ہوتے ہیں اور دوسرے مسلمان ممالک کے نشریاتی اداروں کے اندر ایسے عناصر گھسے ہوئے ہیں جن کی وفاداریاں اسلام اور ملت اسلامی کے ساتھ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ غیر اسلامی نظریات کے علمبردار اور بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ لوگ عالم اسلام کے اتحاد میں شدید رکاوٹ ہیں۔ دنیا کے اندر پروڈیگنڈے کی جو اہمیت ہے اُس کے پیش نظر جب تک عالم اسلام کے نشریاتی ادارے اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوتے اور بیرونی عناصر سے پاک نہیں ہوتے، اور پورا عالم اسلام پروڈیگنڈے میں یک آواز نہیں ہوتا اس وقت تک مسلمانوں کی وحدت تو کجا مسلمانوں کی سلامتی و بقا بھی خطرے میں ہے۔ نیز اگر ملت اسلامی کو نئے سرے سے اسلامی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے تو نشریاتی نظام کی اصلاح ایک ناگزیر امر ہے۔ اسی احساس کے تحت

شاہ فیصل نے مسلمانوں کے نشریاتی اداروں کے اندر اصلاح اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مذکورہ کانفرنس اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی اور اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی اسے اسلامی نشریاتی کانفرنس کا نام دیا گیا۔ اس کانفرنس کے لیے جو خصوصی بیچ تیار کیا گیا تھا وہ ایک گول دائرہ ہے۔ اس میں کرۂ ارض کے ایک گوشے میں خانہ کعبہ بنایا گیا ہے جس کے اوپر ریڈیائی لہریں بنی ہوتی ہیں۔ اس میں جو تصویر پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کا محور بیت اللہ ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کے نشریاتی اداروں نے اس اہم کانفرنس کے متعلق اپنا صحیح رول ادا نہیں کیا۔

دعوتِ اسلامی کی عام اشاعت | سعودی حکومت کے قابل ستائش کارناموں میں سے ایک رابطہ عالم اسلامی کا قیام ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۶۲ء میں شاہ سعود مرحوم کے زمانے میں قائم ہوا تھا اور شاہ فیصل کے دور میں اسے بڑی وسعت دی گئی۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی کے ارکان کی تعداد اب ۵۰ سے زائد ہے۔ اس میں تمام مسلمان ممالک اور متعدد مسلمان اقلیتوں کے نمائندے شریک ہیں۔ ہر سال ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے مسائل پر اظہار خیال ہوتا ہے۔ رابطہ کے ذریعے دنیا کے اندر اسلامی اداروں کی مالی مدد بھی کی جاتی ہے اور اشاعتِ اسلام کے نئے ادارے بھی قائم کیے جاتے ہیں۔ مسلمان اقلیتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ تبلیغی وفد اطراف عالم میں بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے موقع پر اسلامی موضوعات پر تقریریں کروائی جاتی ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ گذشتہ حج (دسمبر ۱۹۶۵ء) کے موقع پر رابطہ کے اس شعبے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں سے کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ دیکھ کر انگشت بدندان رہ گیا کہ سعودی حکومت نے اسلامی لٹریچر کا وسیع پیمانے پر "لنگر" جاری کر رکھا ہے۔ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے علاوہ دوردراز ملکوں کے اندر عام اسلامی لٹریچر روزانہ ٹمنوں کے حساب سے دستی اور ڈاک کے ذریعے بٹاتا جاتا ہے۔ اسٹور کے انچارج جناب رشید فارسی صاحب نے مجھے بتایا کہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور علم کی خدمت میں شاہ فیصل کا یہ حال ہے کہ جو نہی ان کے علم میں کوئی مفید کتاب آجاتی ہے وہ چاہے کتنی گراں ہو فوراً اسے خرید کر اہل علم کو مفت پیش کرنے کا امر جاری کر دیتے ہیں۔ رشید فارسی صاحب نے مجھے نمونے کے طور پر دو کتابیں دکھائیں۔ ایک مزہ کی تحفۃ الاشراف اور دوسری امام بغوی کی شروح السنۃ۔ اسلامی لٹریچر میں ان کتابوں کی کیا قدر قیمت ہے۔ یہ اصحاب ذوق ہی جانتے ہیں۔ دونوں کی ابھی پہلی پانچ جلدیں چھپی ہیں۔ اور نہایت گراں ہیں۔ شاہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہی انہیں خریدنے اور تقسیم

کرنے کے احکام جاری کر دیے۔ رابطنہ عالم اسلامی، وزارتِ اوقاف، وزارتِ عدلیہ اور دارالافتاء کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں کروڑوں روپے کی کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی تاریخ کے وہ علمی شاہکار جو ہمارے اسلاف نے اپنے دور میں مدون کیے ہیں انہیں نئی زندگی بخشی جا رہی ہے۔

افریقہ کی خدمت | چند سال پیشتر شاہ فیصل نے افریقی ممالک کا طویل دورہ کیا تھا۔ اس دورے میں ان کے جو رفقاء تھے انہوں نے بتایا کہ شاہ نے اس دورے میں تمام تکلفات ختم کر دیے۔ اور مسجدوں کے اندر جا جا کر عام مبلغین کی طرح وعظ کیے اور درس دیے۔ افریقہ کی دور دراز آبادیوں کے مسلمان ہر لحاظ سے لپساندہ ہیں۔ مسلمان حکمرانوں میں سے دماغ جانے کی کسی نے تکلیف گوارا نہیں کی۔ چنانچہ جب ان مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ والی حرمین ان کے ملک میں آ رہے تو وہ سڑکوں پر نکل آئے اور اپنی انتہائی خوشی اور بے انتہا بے بسی دونوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ شاہ اس صورتِ حال سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے تمام رکاوٹیں ہٹا کر عام افریقی مسلمان کے سینے سے لگایا۔

اس دورے سے واپسی کے بعد شاہ نے افریقی امور کو اپنی خصوصی توجہات کا ہدف بنا لیا اور ہر افریقی ملک کے اندر مسجدوں، مدرسوں اور مکتبوں کے قیام کو مہم کے طور پر شروع کر دیا۔ اور پھر سینکڑوں کی تعداد میں دماغ مبلغین بھیجے جو سعودی حکومت کے خرچ پر وہاں جا سجا اسلامی تبلیغ اور دین اسلام کی تدریس میں مشغول ہیں۔ اسلامی لٹریچر بھی بہت بڑی مقدار میں افریقہ بھیجا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نے افریقہ پر اپنے فیض کی بارش کر رکھی تھی۔ اور اس سے افریقہ کے اندر اسلامی بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔

ہمد گیر سرپرستی | آپ یورپ اور امریکہ جائیں تو آپ جس شہر میں آئیں آپ کوئی مسجد، کوئی اسلامی مرکز، کوئی مبلغ ضرور ایسا پائیں گے جو شاہ فیصل شہید کے چشمہ فیض سے وابستہ ہوگا۔ سعودی عرب میں روزانہ اکنافِ عالم سے وفود پہنچتے رہتے ہیں اور اسلامی منصوبوں کے لیے امداد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو اگر وہ فہرست دکھا دوں جس سے یہ معلوم ہو کہ کس طرح یہ شاہ شہید دنیا کے مقہور و مظلوم انسانوں کی دستگیری کرتا رہا، ان پڑھ اور جاہل مسلمانوں میں علم پھیلاتا رہا، بستیوں اور شہروں کے اندر اسلامی تعلیم کا چرچا کرتا رہا، جہاں سے آذان کی آواز نہ اٹھتی تھی وہاں آذانیں بلند کرتا رہا، آزادی کی تحریکوں کو شہ دیتا رہا، بیسیوں کی غمخواری، بے نواؤں کی ہمدردی اور یتیموں اور فیروں کی دلجوئی کرتا رہا ہے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ شاہ فیصل سعودی عرب کا بادشاہ نہ تھا بلکہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مشفق باپ، وفادار دوست، مخلص پرست دربار تھا،

رحمدل قائد، دردمند پیشوا اور لافارٹوں کا وارث تھا۔ اس کی حیثیت عالم اسلام اور مسلمانوں کے ایک چھتری کی تھی۔ افسوس کہ یہ چھتری مسلمانوں سے چھین لی گئی۔ المدینہ اخبار کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں: "اے ابو عبد اللہ (فیصل کی کنیت) ہم تجھے رو رہے ہیں۔ اور تجھے روتے رہیں گے۔ ہم کیوں نہ روئیں۔ ہم سے رحمت و شفقت چھینی گئی۔ ہم عزیمت و ایمان کے پیکر کو گنوا بیٹھے۔ ہم کیوں نہ روئیں: کیا بشیر خوار بچہ ماں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیا کلی پانی کے بغیر شاداب رہ سکتی ہے؟ کیا کشتی بغیر لاج چل سکتی ہے؟ رولے میری آنکھ رو۔"

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق

میں یہ سمجھوں گا کہ تمہیں دو فروزاں ہو گئیں

شاہ شہید جب سر پر آرائے سلطنت ہوئے تو عالم عرب غیر اسلامی فتنوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ عرب قومیت نے نسل نو کو مسحور کر رکھا تھا، اور ناصر جیسا ہنگامہ آرا لیڈر اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ امریکہ کی پے در پے غلطیوں اور سازشوں کی وجہ سے سوشلزم اور کمیونزم کو ہوا مل رہی تھی۔ صہیونی تحریک پوری طرح سرگرم عمل تھی کہ اس کے مختلف ادارے بیروت کو اپنا مرکز بنا کر ہر جگہ اپنا جال بچھا رہے تھے۔ اسلام کے سوا ہر فتنہ کے لیے عربوں کے دروازے کھلے تھے۔ شاہ فیصل میدان میں اترے اور ان فتنوں کے خلاف ہمہ جہتی جنگ کی طرح ڈال دی۔ چنانچہ انہوں نے عرب قوم پرستی کے غبارے سے ہوائ نکالی۔ اور یہ بتایا کہ عربوں کے اندر طبقاتی تقسیم پیدا کرنے والا، عربوں کے ہاتھوں عربوں کا خون بہانے والا جیسا کہ شمالی یمن میں مصری فوجوں کے ہاتھ ہو رہا تھا، عرب اقوام کو انقلابی اور غیر انقلابی گروہوں میں بانٹنے والا، عرب حکومتوں کے تختے اٹانے کی سازشیں کرنے والے ناصر نے کہا تھا کہ بعض حکمرانوں کے سروں کی فصیلیں پک چکی ہیں اور اب ان کے کٹنے کا وقت آ گیا ہے۔) فرعون، سریانی، فینقی اور بابلی تہذیبوں کو فروغ دینے والا عرب اقوام کا حامی نہیں ہو سکتا۔ اشتر اکیت پر بھی شاہ نے زبردست تنقید کی، اور علم و تحقیق کے ذرائع کام میں لا کر یہ ثابت کیا کہ اشتر اکیت یہودیت کا دوسرا نام ہے اور اشتر کی نظریہ کی تخلیق کرنے والے، اور عرب ممالک کے اندر اشتر اکیت کا نعرہ بلند کرنے والے یہودی اور نصرانی ہیں یا ان کے وطن خوار ہیں۔ اسرائیل اور صہیونی تحریک اور صہیونی عزائم کا بھی خوب پل کھولا۔ اس وقت عرب ممالک کے کتب خانے ایسے لٹریچر سے بھرے پڑے ہیں جس میں ان نظریات کی حقیقت علمی استدلال اور حقائق و واقعات کی روشنی میں واضح گفٹ کی گئی ہے۔ اس پورے لٹریچر کے پیچھے شاہ فیصل کا سرمایہ اور منصوبہ کار فرما رہا ہے۔ چنانچہ شاہ فیصل کی شہادت

پر اسرائیلی ریڈیو کا تبصرہ یہ تھا: "شاہ فیصل اسرائیل اور یہودی قوم کا شدید دشمن تھا (بحوالہ روزنامہ القبس، کویت ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ء)۔"

راقم کو معلوم ہوا ہے کہ شاہ فیصل کے جنازے پر یا سرعرات بلک بلک کر رویا ہے۔ یا سر رونے میں حتیٰ بجانب ہے۔ اور شاید یا سر کارونا جلدی بند نہ ہوگا۔ جن وجوہ کی بنا پر یا سر رویا ہے۔ وہ مجھے معلوم ہیں۔ اور میں بھی یا سر کے ساتھ رونے میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے یا سر سے ذاتی تعارف ہے۔ یہ مخلص انسان بیشک آج اپنے آپ کو صحیح معنوں میں یتیم محسوس کرتا ہوگا۔ اب وہ اگر چراغِ رُخِ زیالے کر بھی ڈھونڈے تو دنیا میں ایسا حکمران پاسکے گا جو اسے یہ کہے گا کہ: "اخئی یا سر! میرا پورا خزانہ تمہارے لیے وقف ہے۔ میں تمہارے وطن کی آزادی کے سلسلے میں کبھی سودا بازی نہ کروں گا اور نہ کرنے دوں گا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب گواہ ہے۔" یہ صدق و دیانت، وسعتِ قلب و نظر اور عزم و ایمان سے بھرپور تسلی یا سرعرات کو اب بظاہر کہیں سے ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو نہ ہونا چاہیے۔ اس نے فیصل پیدا کیا تھا تو وہ ایسے اور فیصل بھی پیدا کر سکتا ہے۔ لا یتسوا من روح اللہ۔ انہ لا یبئس من روح اللہ إلا القوم الکفون۔

شاہ فیصل نے عربوں کو متحد کرنے کی تحریک چلائی جو نہ امریکہ کو پسند تھی اور نہ روس کو۔ انہوں نے پورے عالم اسلام کو متحد کرنے کا اعلان کیا اور عملی اقدامات بھی کیے۔ یہ نہ یہودیوں کو منظور تھا، نہ کمیونسٹوں کو اور نہ ہندوؤں کو۔ شاہ فیصل نے صہیونیت اور اشتراکیت دونوں کا تعاقب کیا۔ اس سے اسرائیل بھی مبتلائے قلق ہوا اور اسکو بھی۔ شاہ فیصل نے ۱۹۵۱ء کی جنگِ عرب و اسرائیل میں مصر و شام کو مال اور اسلحہ سے لاد دیا اور یوں اس جنگ کے ہیرو بن کر آگئے۔ یہ بات اے اے اسلام کو نہ ہضم ہو سکی۔ شاہ فیصل نے پٹرول کا ہتھیار استعمال کیا تو پوری مغربی دنیا کے موشِ اُرگئے اور اسے معلوم ہو گیا کہ اسرائیل کی حمایت کس طرح اس کی زندگی دو بھڑک سکتی ہے۔ جب امریکہ ڈپلومیسی جسے درپردہ روس کی حمایت بھی حاصل تھی (مسئلہ فلسطین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور مرحلہ وار) حل کرنے کی کوشش کی (جو درحقیقت ایک سازش تھی) اور شاہ فیصل نے فوراً شام، اردن اور مصر کا دورہ کر کے ان ملکوں کو امریکہ کی سازش سے چوکنے لیا تو کسی پیرچ و تاب کھانے لگا۔ شاہ فیصل نے اعلان کیا کہ بیت المقدس اور دوسرے مقدس مقامات کی واگزارمی کے لیے کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی اور وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھنے کے خواہشمند ہیں تو تحریک صہیونیت

ایک زلزلے سے دوچار ہو گئی۔ اور آخر میں جب ۱۹ مارچ کو شاہ فیصل اور کسینجر کی ملاقات ہوئی تو گفت و شنید کے بعد شاہ فیصل نے کسینجر کو رسوائے زمانہ کتاب ”یہودی سازش“ کی ایک کاپی مدینہ پیش کی تو کسینجر نے یوں مسوس کیا جیسے شاہ فیصل نے اُس کے سر میں گولی مار دی ہو۔ اس پورے پس منظر کے بعد اگر شاہ فیصل کو سر میں گولی مار کر جام شہادت نوش کر دیا گیا ہے تو کوئی اچھے کی بات نہیں ہے۔

جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

جان تو آنی جانی ہے جان کی کوئی بات نہیں

شاہ مرحوم پاکستان سے عشق رکھتے تھے۔ راقم کو اُن کے بزرگ چچا کے ذریعے سے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ پاکستان کے لیے کتنا درد رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جب پاکستان کو میدان جنگ میں کامیابیاں نصیب ہوئیں تو فیصل خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ صرف زبانی طور پر خوشی کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے پاکستان کی اخلاقی اور مالی اور عسکری امداد میں بھی دریغ نہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کا سقوط پیش آیا تو وہ بچوں کی طرح روئے۔ اور کئی راتیں انہیں چین نصیب نہ ہوا۔ اُن کے ایک قریبی دوست نے مزاحاً کہا کہ آپ تو پاکستان کے لیے اب تک رو رہے ہیں۔ مگر پاکستان میں تو شاید اب کوئی ذمہ دار شخص اس پر رونے والا نہ ملے گا۔ وہ کہنے لگے ”اسی لیے مجھے زیادہ رونا آتا ہے“ مشرقی پاکستان کے سابق امیر جماعت اسلامی پروفیسر غلام اعظم نے حالیہ حج کے موقع پر اُن سے دریافت کیا کہ ”آپ نے ابھی تک بنگلہ دیش کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟“ تو شاہ نے جواب دیا کہ مجیب نے جس دستور کا اعلان کیا ہے اُس کی رو سے بنگلہ دیش ایک سیکولر اشتراکی اور قومی ریاست ہے۔ اس لیے میں ایسی ریاست کو ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔ اور اسی وقت تسلیم کروں گا جب مجیب دستور پر اعلان کرے گا کہ بنگلہ دیش اسلامی ریاست ہے۔ شاہ نے بتایا کہ ان پر بڑی بڑی طاقتوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے۔ لیکن یہ میرے عقیدہ و ایمان کا مسئلہ ہے۔ اور لادین ریاست کو تسلیم کرنا کفر کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اور میں کفر کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ مرحوم کے یہ الفاظ تھے: ”سن اعترف بالکفر“۔ پاکستان کے موجودہ اندرونی فتنہ پر بھی مرحوم سخت دلگیر رہتے تھے۔ پاکستان کے لیے اُن کے سز نے کھلے تھے۔ نہ صرف آفات و مصائب کے وقت انہوں نے پاکستان کی مدد کی بلکہ ہر طرح سے پاکستان کو مضبوط بنانے کے اُردو مند تھے۔ مجھے ایک اہم سعودی شخصیت کے یہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ اُس نے گذشتہ جنوری میں مجھ سے کہا کہ فیصل کو پاکستان سے (باقی صفحہ ۱۰۱)